صوفیہ کرام اور باہمی رواداری: کشف المحجوب کی روشنی میں

احمد رضا☆

تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صوفیہ کرام نے ہمیشہ امن وآشتی، بین المذاہب رواداری، سماجی وثقافتی ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کی تعلیم دی ہے۔صوفیہ کا مقصدِ حیات مخلوق کا رشتہ خالق سے مستحکم کرنا ہے۔چنانچہ دعوت دین کے لیے ان کا پسندیدہ مقام وہ ہوتا نسلی، مذہبی، لسانی اور ثقافتی کثرت کا حامل ہو۔تاکہ وہ اپنی تعلیمات مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے اللہ کے ان بندوں تک بھی پہنچا سکیں جنہیں اللہ کی وحدانیت کا شعور نہیں ہوتا۔جو اللہ کے دین سے دور اور نفرت وعداوت کے ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں۔صوفیہ کرام اسی مقصد خیر کی تکمیل کے لیے تکثیری معاشرے کو اپنی دعوت و تبلیغ کے لیے ترجیح دیا کرتے ہیں۔صوفیہ کرام نے مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی اسلام سے قریب کرنے کے لیے محبت اور رواداری کے اصولوں پر کام کیا۔ سختی اور تشدد کو انہوں نے کبھی پسند نہیں کیا۔اور یہی دعوتِ دین کا زریں اصول بھی ہے۔دعوت کے عمل سے وابستہ شخص کو ہر فرد کے ساتھ شفقت ومحبت کا عملی مظاہرہ کرنا چاہیے، کیوں کہ داعی جب اپنے عمدہ اخلاق کے ذریعہ انسانی قلوب پر قبضہ کر لیتا ہے تو اپنا پیغام بڑی آسانی کے ساتھ ان تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے صوفیہ نے غیر مسلموں کے ساتھ شگفتہ تعلقات رکھنے کو دعوت و تبلیغ کے لیے موثر قرار دیتے ہوئے اس کی تاکید کی۔سیدنا داتا گنج بخش ہجویری بھی برصغیر کے ان سرخیل صوفیہ میں سے ہیں جنہوں نے ہمیشہ امن وسلامتی، بین المذاہب رواداری، ثقافتی ہم آہنگی اور سماجی انصاف کی تعلیم دی ہے۔کشف المحجوب میں آپ کی بیان کردہ تعلیماتِ امن وسلامتی اور رواداری نہ صرف اہل ایمان کے لیے بلکہ تمام انسانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔مقالہ ہذا میں اسی موضوع پر تحقیق پیش کی گئی ہے۔

☆اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی تاریخ وثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تصوف کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت اور محسنِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کار کے مطابق زندگی گزارنے کا نام تصوف ہے۔ تصوف دین کے مکمل فہم اور سمجھ بوجھ کا نام ہے بایں طور کہ دین کی تعلیمات پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا جائے۔ اسلام میں ایسے کسی تصوف کی گنجائش نہیں جو شریعت کے احکام سے بے تعلق ہو۔ تصوف تو دراصل اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی سچی محبت، بلکہ عشق کا نام ہے۔ عشق کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی سے بال برابر بھی انحراف نہ کیا جائے۔ اسلامی تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ شریعت کے احکام کو انتہائی خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بجالانے، اللہ سے محبت اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ ہے

تصوف کا اصطلاحی مفہوم

- حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں: تصوف صفا کی ایسی حکایت اور تعبیر ہے جس میں کوئی شکوہ اور شکایت نہیں ہوتی [1]
- امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں: تصوف کیا ہے؟ بس احکامِ شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔[2]
- شیخ عبداللہ محمد بن خفیف فرماتے ہیں کہ: تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔[3]
- تصوف طریقت ہی کا دوسرا نام ہے اور طریقت اس راہ کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی ہو۔ چنانچہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کی طرف سب سے قریب تر راستہ قانونِ بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ تھامے رہنا ہے۔ [4]

ہر کامل صوفی ولایت کے درجہ پر فائز ہوتا ہے اور ولایت کے لیے کرامت لازم ہے۔ کرامت دو طرح کی ہے۔ ایک وہ جس میں کسی دھوکہ کا دخل نہیں ہو سکتا۔ دوسری وہ جس میں استدراج اور شعبدہ کا شبہ ہوتا ہے۔ اصل کرامت وہی ہے جو شبہ سے پاک ہو۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں: ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا ہر فعل نبیِ کریم ﷺ کے قول پر ٹھیک اترے[5]۔

علمائے باطن کے ارشادات کی روشنی میں تصوف، صاحبِ تصوف، کرامت اور ولی کا اجمالی نقشہ ذہن میں آجاتا ہے کہ اصل تصوف تصفیۂ قلب اور اتباعِ شریعت ہے۔ حقیقی اور اعلیٰ کرامت شریعت پر استقامت ہے۔ سچا صوفی اور ولی وہی ہو گا جو سید الکونین ﷺ کی اطاعت و پیروی میں سچا ہو گا۔ تصوف کے اس تعارف کو ذہن میں رکھ کر آج کل کے نام نہاد صوفی بننے والے افراد کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ افراد شریعت اور اتباعِ نبی ﷺ سے کوسوں دور ہیں۔ جب ان کے سامنے شریعت مطہرہ کا ذکرِ جمیل نکلتا ہے تو یہ طریقت کو شریعت سے جدا بتاتے ہیں۔ جب کہ علمائے ربانیین کے ارشادات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جو جتنا زیادہ شریعت اور سید عالم ﷺ کی اتباع کرے گا وہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہو گا اور اس کا دل صاف و شفاف ہو گا۔

تصوف اور خانقاہ

صوفیائے کرام نے خانقاہی نظام کی بنیاد رکھی اور اسے پروان چڑھایا۔ خانقاہ در حقیقت درس گاہِ صفہ کی طرح وہ تربیت گاہ ہے جہاں شیخ اپنے مرید کی روحانی و اخلاقی تربیت کرتا ہے اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑتا ہے۔ خانقاہی نظام تعلق باللہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ خانقاہی نظام کا مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو فروغ دینا ہے۔ صوفیائے کرام کی خانقاہیں ہمیشہ سے اللہ کے بندوں کی دادرسی، تعلیم و تربیت اور ذکر و فکر کا مرکز رہی ہیں۔ ان خانقاہوں سے کروڑوں تشنگان معرفت فیض یاب ہوئے اور لاکھوں گم گشتہ راہیوں کو محبت الٰہی کی منزل کا سراغ ملا۔ ہر لمحہ اپنے خالق سے ڈرنا، دین کے کام کو بغیر کسی بھی دنیاوی لالچ کے سرانجام دینا، اپنی ذات کی نفی کرنا، شہرت و نام وری سے بچنا، طبیعت میں نرمی اور مزاج میں عاجزی پیدا کرنا حقیقت میں یہی وہ بنیادی اوصاف ہیں جن سے مل کر تصوف کا ابتدائی خاکہ تیار ہوتا ہے۔ صوفیہ کرام کی زندگی انہی تعلیمات کی مظہر تھی۔ ان کے کردار میں پاکیزگی، سیرت میں تقدس، پیغام میں اخلاص اور لہجوں میں انتہائی شفقت تھی۔ مہر و محبت کے یہ پیکر علم و آشتی کے یہ چلتے پھرتے مجسمے، صلح و نرمی کے یہ جیتے جاگتے نمونے، صبر و تحمل کے یہ کوہ وقار، زہد و تقویٰ کے یہ عظیم شاہکار اور عدل و انصاف کے یہ پیامبر اس دنیا میں رہے تو اس شجر سایہ دار کی مانند جو اپنوں کو بھی سایہ فراہم کرتا ہے اور بیگانوں کو بھی۔ ان خلیق اور شفیق ہستیوں نے مخلوق خدا کے دلوں اور ذہنوں پر حکومت کی۔ اور عقیدتوں و محبتوں کا مرکز و محور ٹھہرے۔

خانقاہ کی موجودہ صورت حال

خانقاہی نظام کے تشکیلی عناصر میں سادگی، علم و عمل، تربیت اور اخلاقیات کو فوقیت حاصل ہے۔ لیکن عصرِ حاضر میں یہ سب عناصر خانقاہوں سے ختم ہوتے چلے جارہے ہیں۔ عصر حاضر میں بہت سی خانقاہوں میں تسبیح و مصلیٰ صرف ظاہری دکھلاوے کے طور پر باقی ہے اور تصوف کی حقیقی روح اور تربیت وماحول موجود ہی نہیں۔ وہ اب سیاست کے کاروبار میں لگ چکے ہیں۔ درباروں اور خانقاہوں پر میلوں ٹھیلوں، رقص و سرود اور فال نکالنے والوں کا راج ہے۔ مسند و سجادہ کے وارثوں کو ہوس زر و زمین نے اپنے اہداف سے ناآشنا کر دیا ہے۔ وہ آستانے جہاں سے لاکھوں زندگیوں میں انقلاب بپا ہوا کرتے تھے، جہاں پر تزکیہ کی منازل طے کرائی جاتی تھیں، جہاں پر اتفاق و اتحاد اور اخوت و یگانگت کا درس دیا جاتا تھا۔ افسوس کہ آج وہاں ایسی باتیں اور اعلیٰ اخلاق و اقدار معدوم ہیں۔ مریدوں کی تعداد بڑھانا ان کا مقصد بن گیا ہے۔ جاہ و جلال میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا لالچ، خوشامد کا شوق، حکمرانوں سے تعلقات، اقتدار کی ہوس اور خلق خدا کی تعلیم و تربیت سے دوری کے باعث انہوں نے روحانیت کے چشمہ صافی کو گدلا کر دیا ہے۔

تصوف کی موجودہ صورت حال

تاریخ گواہ ہے کہ تصوف نے بحیثیت ادارہ کام کیا۔ اس ادارے نے صدیوں تعمیری اور مفید انداز میں کام کیا اور کروڑوں لوگوں کی اصلاح کی۔ لیکن امت جب زوال پذیر ہوئی اور اس کے سارے شعبوں میں زوال آیا تو تصوف کا ادارہ بھی کمزور ہو گیا اور اس میں بہت سی بدعات و خرافات داخل ہو گئیں۔ یوں تصوف کا نام باقی رہ گیا، کام باقی نہ رہا۔ اور ہمارے عہد تک آتے آتے اس نے یہ مضحکہ خیز صورت اختیار کرلی کہ بعض لوگوں نے تصوف کو خاندانی کاروبار اور سیاسی اثر و رسوخ اور اقتدار تک پہنچنے کا ذریعہ بنالیا۔

عصر حاضر کے صوفیوں کی جاہلانہ اور غیر شرعی حرکتوں کو دیکھتے ہوئے سید نا داتا گنج بخش علی ہجویری کے اس قول کو پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ :ان لوگوں نے خواہشات کا نام شریعت، حُبِّ جاہ کا نام عزت، تکبر کا نام علم، ریاکاری کا نام تقویٰ، دل میں کینہ چھپانے کا نام حلم، مجادلہ کا نام مناظرہ، محاربہ و بے وقوفی کا نام عظمت، نفاق کا نام وفاق، آرزو کا نام زہد، ہذیانِ طبع کا نام معرفت، نفسانیت کا نام محبت، الحاد کا نام فقر، انکارِ وجود

کا نام صفوۃ، بے دینی و زندقہ کا نام فنا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو چھوڑنے کا نام طریقت رکھ لیا ہے[6]۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ نہ صرف ہمارے عہد میں ایسے بے عمل صوفیہ پیدا ہو گئے ہیں بل کہ گذشتہ ادوار میں بھی ایسے بے علم و عمل صوفیوں کا گروہ اسلام کو نقصان پہنچاتا رہا ہے۔ مگر ان کے فاسد نظریات اور غلط خیالات کی دھجیاں بکھیرنے والے علمائے حق اور کامل صوفیہ بھی جلوہ فرما رہے جنہوں نے کتب و رسائل تصنیف فرما کر اور تزکیہ و طہارت کی روحانی محفلیں سجا کر ان کے باطل نظریات سے ہمیں روشناس کرایا اور صحیح راہ دکھائی۔

صوفیہ اور اصلاحِ معاشرہ

صوفیہ کرام کی خدمات کے متعدد پہلو ہمیں تاریخ میں نظر آتے ہیں۔ معاشرہ کی اصلاح کے حوالے سے صوفیہ کی خدمات کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کے نفوس کی تطہیر کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ جب کہ دوسری جانب صوفیہ کی خدمات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بچھڑے ہوئے بندوں کو ان کے مالک و مولیٰ سے ملاتے ہیں۔ اور بھاگے ہوئے غلاموں کو ان کے آقا کے دربار میں پہنچاتے ہیں۔ اس طرح صوفیہ کی روحانی جماعت جس کا نظام تصوف و احسان ایک خالص روحانی تحریک کی شکل میں ہمارے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر صوفیہ کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صوفیہ کے سماج اور معاشرے کی خدمت کے کئی اور ایسے پہلو نظر آتے ہیں جو دنیاوی لحاظ سے خصوصاً زیادہ اہم ہیں اور جن کی وجہ سے یہ تحریک روحانی ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی بھی نظر آتی ہے مثلاً:

- صوفیہ نظام مساوات اور کرامت انسانی کے علم بردار ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاں ذات پات اور مذہب و عقیدہ کی تفریق کے بغیر سب کے لئے دروازے کھلے رہے۔ انہوں نے انسانی اقدار کا ہمیشہ لحاظ رکھا۔ اور اعلیٰ اقدار کی پاسداری کے انمٹ نقوش تاریخ میں چھوڑے۔
- صوفیہ سماجی خدمات میں پہل کرنے والے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی خانقاہوں میں لنگر خانہ قائم کیا تاکہ بلا تفریق لوگ ان کے دستر خوان پر بیٹھ کر کھا سکیں۔ جس سے انسانی بھائی چارے کو زیادہ سے زیادہ فروغ ملے۔

- صوفیہ عورتوں کے حقوق کے علم بردار ہیں۔ شرعی حدود میں رہ کر انہوں نے ان کی بھی اصلاح کی۔ اوران کو معاشرتی مقام دلانے کی بھرپور کوشش کی۔
- صوفیہ کی جماعت معاشرتی برائیوں مثلاً چوری، بدکاری، ناانصافی، جھوٹ، غیبت، قطع رحمی وغیرہ کے خاتمہ کے لیے ہمیشہ سر گرم رہی۔ یہ جماعت افراد معاشرہ کو تمام عمدہ انسانی معاشرتی خوبیوں سے آراستہ کرنے کے لئے جہد مسلسل کرتی رہی۔

مذہبی رواداری کی اسلامی تعلیمات

اسلام شرف انسانیت کا علمبردار دین ہے۔ ہر فرد سے حسن سلوک کی تعلیم دینے والے اس دین میں کوئی ایسا اصول یا ضابطہ روا نہیں رکھا گیا جو شرفِ انسانیت کے منافی ہو۔ دیگر طبقاتِ معاشرہ کی طرح اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی ان تمام حقوق کا مستحق قرار دیا گیا ہے جن کا ایک مثالی معاشرہ میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کی اساس دین میں جبر واکراہ کے عنصر کی نفی کر کے فراہم کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ[7]

دین میں کوئی زبردستی نہیں

اسلامی معاشرہ میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اقلیتوں سے نیکی، انصاف اور حسن سلوک پر مبنی رویہ اختیار کریں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِين[8]

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کرو، بیشک اللہ عدل وانصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے اس کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتا ہے:

أَلاَ مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَو انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ[9]

خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو روزِ قیامت میں اس کی طرف سے جھگڑوں گا۔

حفاظت

نبی اکرم ﷺ کے عہد میں ایک دفعہ ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔آپ ﷺ نے قصاص کے طور پر قاتل کو قتل کیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

أنا أحق من وفى بالذمة[10]

غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا اہم فریضہ ہے۔

عیادت

آپ ﷺ تمام انسانوں کے ساتھ مساوات، عدل وانصاف اور حسن اخلاق کا معاملہ فرماتے تھے۔ اگر معاشرہ کا کوئی فرد بیمار پڑ جاتا تو اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اور اس کے لیے دعا فرمایا تھے۔

اَنَّ غلاَمًا لِيَهُودَ،كَانَ يَخدمُ النَّبِیَّ ﷺ فَمَرِضَ فَاتَاهُ النَّبِی ﷺ يَعُودُه[11]

رسول کریم کا ایک خادم یہودی تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو رسول کریم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے وہیں غیر مسلموں کے ساتھ بھی ہمدردی، غم گساری کا رویہ اپناتے تھے۔

رعایت

جب حضور انور ﷺ نے خیبر فتح کیا تو یہودِ خیبر کی درخواست پر انہیں کاشتکاری کی اجازت عطا فرمائی۔ جب فصل (کھجور) کٹنے کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو وصولی کے لیے

بھیجا۔ حضرت عبداللہؓ نے کھجوریں دو حصوں میں برابر تقسیم فرمائیں۔ اس پر یہودیوں نے کہا آپ نے ہمیں ہمارے حصہ سے زیادہ تقسیم فرما رہے ہیں۔ کیوں کہ ان کے اپنے اصول کے مطابق ان کا حصہ آدھا نہیں بنتا تھا۔ لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا تمہیں ضرور آدھی ہی ملیں گی کیوں کہ تم سے معاہدہ اسی طرح ہوا تھا۔ اس پر وہ بے اختیار بول اٹھے" ھٰذَاالحَقُّ وَبِہٖ تَقُوْمُ السَّمَاءُوَالارضُ"یہی حق ہے اور اسی سے آسمان وزمین قائم ہیں۔[12]

مہمان نوازی

آپ ﷺ ہمیشہ رواداری، مہمان نوازی اور تواضع کی طرف رہنمائی فرماتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ مدینہ آنے والے غیر مسلم وفود کی میزبانی فرماتے تھے۔ جب مدینہ منورہ میں حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا، ان کی مہمان نوازی خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا:

اِنَّہُمْ کَانُوْا لأصحاب مكرمين، فإني أحب أن أكافئهم[13]

یہ لوگ ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں خود ان کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے ایک کافر کی مہمان نوازی کی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے ایک بکری منگوائی اور اس کا دودھ دوہا گیا۔ وہ اس کا دودھ پی گیا۔ پھر دوسری منگوائی گئی اور اس کا دودھ دوہا گیا تو اس نے اس کا دودھ بھی پی لیا۔ پھر تیسری بکری منگوائی گئی تو وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ حتیٰ کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ اگلے دن صبح کے وقت اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک بکری منگوائی اور اس کا دودھ دوہا گیا۔ اس نے دودھ پی لیا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے ایک اور بکری منگوائی مگر وہ اس کا دودھ مکمل طور پر نہ پی سکا۔[14]

عفوودرگذر

آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ لوگوں کو ہمیشہ معاف فرماتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا اے قریش کے گروہ تم مجھ سے کس قسم کے سلوک

کی امید رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا خیر کی۔ آپ ہمارے معزز بھائی ہیں اور ایک معزز بھائی کے بیٹے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔[15]

مذہبی آزادی

عہد رسالت مآب میں جہاں غیر مسلموں کے معاشی، تعلیمی اور سیاسی حقوق محفوظ تھے وہیں انہیں مذہبی آزادی کا پورا اختیار دیا گیا تھا۔ چنانچہ جب نجران کے عیسائی مدینہ میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ مسجد نبوی میں نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے۔ یہ لوگ نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ جب ان کی نماز کا وقت ہوا تو وہ مسجد میں ہی نماز ادا کرنے لگے۔ اس پر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ انہیں نماز پڑھنے دو۔ انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔[16]

دوران جنگ حسن سلوک

حضور ﷺ نے غیر مسلموں سے حسن سلوک، رواداری اور ان کے حقوق کا تحفظ صرف عام حالات میں ہی نہیں کیا بلکہ جنگ کی حالت میں بھی اس کا عملی نمونہ پیش کر کے دکھایا۔ حالتِ جنگ میں آپ ﷺ نے حسن سلوک کی ایسی اعلیٰ مثالیں قائم کیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں نے پانی کے چشمہ پر حوض بنا کے وہاں پڑاؤ ڈال لیا تو باوجود حالت جنگ کے جب بھی دشمن پانی لینے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا انہیں پانی لے لینے دو۔[17]

اسی طرح آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ حالت جنگ میں کسی غیر مسلم کی لاش کا مثلہ نہ کیا جائے، اسے باندھ کر نہ مارا جائے اور اسے جلایا نہ جائے۔[18]

غیر مسلموں کے لیے دعا

حضور انور ﷺ کا غیر مسلموں کے لیے دعائیں کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کو ان سے ہمدردی تھی اور آپ ﷺ کی حد درجہ خواہش تھی کہ وہ اللہ کا پیغام سنیں اور اس کے احکام مانیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ میں اپنی مشرک والدہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے انہیں تبلیغ کی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ناپسندیدہ باتیں کیں۔ میں آپ ﷺ کے پاس روتا ہوا حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں اپنی والدہ کو اسلام کی دعوت دیتا تھا تو وہ انکار کرتی

تھیں۔آج میں نے دعوت دی تو انہوں نے آپ ﷺ کے متعلق نازیبا باتیں کیں جنہیں میں ناپسند کرتا ہوں۔آپ ﷺ اللہ سے دعا کریں کہ وہ میری والدہ کو ہدایت دے۔آپ ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت دے۔میں آپ ﷺ کی دعا سے خوش خوش واپس ہوا۔جب میں گھر کے دروازہ کے پاس پہنچا تو وہ بند تھا۔میری والدہ نے میرے قدموں کی آواز سنی تو کہا اے ابوہریرہ ادھر ہی ٹھہر جاؤ۔ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے پانی کے گرنے کی آواز سنی۔ابوہریرہ کہتے ہیں کہ انہوں نے غسل کیا اور کپڑے زیب تن کیے۔دوپٹہ اوڑھا اور دروازہ کھول دیا۔پھر انہوں نے کہا اے ابوہریرہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔[19]

غیر مسلم جنازہ کا احترام

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ سھل بن حُنَیف اور قیس بن سعد قادسیہ کے مقام پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو وہ دونوں کھڑے ہوگئے جب ان کو بتایا گیا کہ یہ ذمیوں میں سے ہے تو ان دونوں نے کہا کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے۔آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا وہ انسان نہیں تھا؟[20]

مندرجہ بالا اسلامی تعلیمات معاشرتی سطح پر مسلم و غیر مسلم کا فرق نہ رکھتے ہوئے امن و سلامتی اور رواداری کی رہنمائی کرتی ہیں تاکہ معاشرے میں امن سکون قائم رہے۔تاکہ معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکے اور سماج کی جملہ برائیوں کا قلع قمع ہوسکے۔لہٰذا مذہبی رواداری کے بارے میں قرآن وسنت کی عطاکردہ تعلیمات اور دور نبوت و خلافت راشدہ میں اقلیتوں کے حقوق کے احترام و تحفظ کے روشن نظائر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کو وہ تحفظ حاصل ہے جن کا تصور بھی کسی دوسرے معاشرے میں نہیں کیا جاسکتا۔

تصوف کے ذریعے رواداری کا فروغ

تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صوفیہ کرام نے ہمیشہ امن و آشتی، بین المذاہب رواداری، سماجی و ثقافتی ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کی تعلیم دی ہے۔صوفیہ کا مقصدِ حیات

مخلوق کا رشتہ خالق سے مستحکم کرنا ہے۔ چنانچہ دعوت دین کے لیے ان کا پسندیدہ مقام وہ ہوتا ہے جو نسلی، مذہبی، لسانی اور ثقافتی کثرت کا حامل ہو۔ تاکہ وہ اپنی تعلیمات مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے اللہ کے ان بندوں تک بھی پہنچا سکیں جنہیں اللہ کی وحدانیت کا شعور نہیں ہوتا۔ جو اللہ کے دین سے دور اور نفرت وعداوت کے ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ صوفیہ اسی مقصد خیر کی تکمیل کے لیے تکثیری معاشرے کو اپنی دعوت وتبلیغ کے لیے ترجیح دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ لاہور میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری اور اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی کی آمد اسی نیک مقصد کے حصول کے لیے تھی۔ چنانچہ ان حضرات نے اپنے اپنے زمانہ میں معاشرہ کے ہر طبقہ اور ہر فرد کو راہ ہدایت دکھائی اور رواداری کو فروغ دیا۔

صوفیہ کا طریقہ اعتدال

انسانوں کے جس گروہ میں سب سے زیادہ اعتدال پایا جاتا ہے وہ صوفیائے کرام ہیں۔ کیونکہ وہ مجاہدۂ نفس کے ذریعے طبیعت کے شر پسندانہ عناصر کو ختم کرنے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔ علم نافع کی کوشش جاری رکھتے ہیں۔ وہ سب کو علم غیر نافع کے نقصانات و حجابات سے بچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ طبیعتوں میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے عبادت وریاضت میں کثرت اور احترام آدمیت کے درس کے ساتھ ساتھ کم خوری کو عادت بناتے ہیں۔ علمی وفقہی اختلافات کو طول دینے سے احتراز کرتے ہیں۔ وصلِ الٰہی کے لئے ہٹ دھرمی اور تصادم وتخاصم کو حجاب سمجھتے ہیں خواہ وہ علمی ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ موجودہ دور میں تصوف کے نام پر فکری و عملی بے اعتدالی سے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی اس نصیحت پر عمل کیا جائے: اس شخص کو اپنا پیر، شیخ یا مرشد بناؤ جس میں تین اوصاف یکجا پاؤ۔ ایک علم، دوسرا عقل اور تیسرا عشق۔ جب علم ہو گا تو وہ تمہیں جہالت کا سبق نہیں پڑھائے گا، عقل ہو گی تو بد عقلی کا حکم نہیں دے گا اور جب صاحب عشق ہو گا تو اللہ اور رسول ﷺ کے ہر حکم کا خود بھی تابع ہو گا اور تمہیں بھی اسی راہ پر چلائے گا۔[21]

رواداری کے فروغ میں صوفیہ کی خدمات

صوفیہ کرام نے مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی اسلام سے

قریب کرنے کے لیے محبت اور رواداری کے اصولوں پر کام کیا۔ سختی اور تشدد کو انہوں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ اور یہی دعوتِ دین کا زرین اصول بھی ہے۔ دعوت کے عمل سے وابستہ شخص کو ہر فرد کے ساتھ شفقت و محبت کا عملی مظاہرہ کرنا چاہیے، کیوں کہ داعی جب اپنے عمدہ اخلاق کے ذریعہ انسانی قلوب پر قبضہ کر لیتا ہے تو اپنا پیغام بڑی آسانی کے ساتھ ان تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی شگفتہ تعلقات رکھنے کو دعوت و تبلیغ کے لیے موثر قرار دیتے ہوئے اس کی تاکید کی۔ انہوں نے نہ صرف اپنے اقوال واعمال سے بلکہ اپنے مال سے بھی اللہ کی مخلوق کو نوازا اور اسلام کی طرف مائل کیا۔ اس بابت چند نظائر درج ذیل ہیں:

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (م465ھ) عراق کا ایک واقعہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں کہ عراق میں اپنے قیام کے زمانے میں ایک دفعہ میں دنیا کمانے اور اسے خرچ کرنے میں بہت دلیر ہو گیا تھا۔ جس کسی کو ضرورت پیش آتی وہ میری طرف رجوع کرتا اور میں نہ چاہتا کہ میرے دروازے سے کوئی خالی جائے۔ اس لیے اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتا، یہاں تک کہ میں بہت زیادہ مقروض اور اس صورت حال سے پریشان ہو گیا۔ آخر وقت کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے مجھے لکھا: بیٹا دیکھو! اس قسم کی مشغولیت میں کہیں خدا سے دور نہ ہو جاؤ، یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے۔ اگر کسی کے دل کو اپنے سے بہتر پاؤ۔ تو اس کی خاطر پریشانی اُٹھاؤ۔ تمام مخلوق کے کفیل بننے کی کوشش نہ کرو۔ کیوں کہ اپنے بندوں کے لیے خدا خود کافی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس نصیحت سے مجھے سکون قلب حاصل ہوا۔[22]

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ (م1267ھ) اپنے عہد کے وسیع الخیال اور وسیع المشرب بزرگ کی حیثیت سے معروف ہیں۔ دیگر اکابر صوفیائے چشت کی طرح آپ کا بھی نظریہ یہ تھا کہ اپنے دین پر سختی سے عمل کیا جائے لیکن دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی خوش گوار تعلقات رکھے جائیں اور ان کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا جائے۔ آپ اکثر اپنے مریدوں کو ہدایت فرماتے تھے: اپنے مذہب، اپنے تمدن، اپنی شریعت پر قائم رہو۔ لیکن ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ اچھا

برتاؤ کرو۔ تعلقات میں کبھی بدمزگی پیدا نہ ہونے دو۔ سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے۔[23]

صوفیہ نے اپنی انہی محبت آمیز تعلیمات کے ذریعہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ایسا سماجی نظام قائم کیا جس کی بنیاد رواداری پر تھی، اس نظام میں مختلف افکار و نظریات کے حامل اور مختلف مذاہب کے ماننے والے امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ فضا ہر طرف انسان دوستی اور بھائی چارگی کی خوشبوؤں سے معطر تھی۔ مناقب المحبوبین میں ہے کہ حافظ سید محمد علی خیر آبادی کے عقیدت مندوں میں غیر مسلموں کی بڑی تعداد شامل تھی۔ حیدر آباد کے چندر لال کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ دہلی کا ایک کائستھ ہندو آپ کی خدمت میں آنے جانے لگا اور آپ کے اخلاق و کردار سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔[24]

صوفیائے کرام نبی کریم ﷺ کے فرمان عالی شان الخلق عیال اللہ کے مقتضیات پر عمل پیرا تھے۔ وہ عقائد و نظریات میں اختلاف کے باوجود انسانی رشتوں کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ ان کی وسیع القلبی اور رواداری کا یہ حال تھا کہ کسی کی کوئی بات انہیں پسند آتی تو برملا اس کا اعتراف کرتے۔ فوائد الفواد کی روایت کے مطابق بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جوگی بھی آیا کرتے تھے۔ ایک بار آپ کی خانقاہ میں خواجہ نظام الدین اولیا سے ایک جوگی کی عالم علوی اور سفلی پر بات چیت ہوئی۔ جوگی نے اپنے خیالات کی وضاحت کی تو بابا فرید اس کی بات سے متاثر ہوئے اور فرمایا: مجھے اس کی بات اچھی لگی۔[25]

ایک مرتبہ امیر حسن سنجری کو کچھ دنوں تک تنخواہ نہ ملی اور وہ پریشان ہو گئے، آپ کی اس پریشانی کی اطلاع حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کو ہوئی تو آپ نے امیر حسن سنجری کو ایک برہمن کا یہ واقعہ سنایا: ایک شہر میں کوئی مال دار برہمن رہتا تھا، شاید اس پر اس شہر کے حاکم نے جرمانہ کیا اور اس کا سارا مال واسباب لے لیا۔ بعد ازاں وہی برہمن مفلس اور مضطرب کسی راستے سے چل رہا تھا، سامنے سے اسے ایک دوست ملا، پوچھنے لگا کیا حال ہے؟ برہمن نے کہا: اچھا اور بہت عمدہ ہے۔ اس نے کہا ساری چیزیں تو تجھ سے چھن گئیں، اب کیا

خاک اچھا ہو گا۔ بولا: میرا زنار میرے پاس ہے۔اس واقعہ کا امیر حسن پر حد درجہ اثر ہوااور اضطراب دور ہو گیا۔انہوں نے شیخ کے اس فرمان کا مقصد سمجھ لیااور سکون واطمینان کی سانس لی۔[26]

صوفیہ کی خدمت میں مسلمان عقیدت مندوں کے ساتھ بڑی تعداد میں غیر مسلم بھی حاضری دیا کرتے تھے۔مشائخ ان غیر مسلموں کے ساتھ اخلاق و محبت کے ساتھ پیش آتے، ان کی باتیں سنتے، ان کی ضیافت بھی فرماتے۔اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ صالحین کی صحبت ان کے قلوب پر اثر انداز ہو اور ان کے دل کی دنیا بدل جائے۔ سیر الاولیا میں ہے :ایک دن ایک مسلمان، ایک ہندو کو لے کر شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوااور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، آپ نے پوچھا: کیا تمہارا یہ بھائی اسلام سے کچھ رغبت رکھتا ہے ؟اس شخص نے عرض کیا: میں اسی غرض سے لایا ہوں کہ جناب کی نظر التفات سے یہ مسلمان ہو جائے۔ شیخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا:اس قوم پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا، ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آجایا کریں تو شاید اس کی برکت سے مسلمان ہو جائیں۔[27]

شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ نہ صرف مریدین کے لیے رشد وہدایت کا سرچشمہ تھی، بلکہ اسے خلق خدا کی دردمندی کا بھی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مسیحائے وقت کے مرکزِ جود وسخا سے اپنے اور غیر سبھی فیض یاب ہوتے تھے،۔یہاں غریبوں کی شکم سیری کے لیے مسلسل لنگر جاری رہتا تھا۔پریشان حال بلا تفریق مذہب وملت آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے کرب واضطراب کا اظہار کرتے تھے۔اپنا درد دل بیان کرتے اور حضرت محبوب الٰہی ہر ایک کے زخم پر مرہم لگاتے تھے۔ہر ایک کے غم کو اپنے اوپر طاری کر کے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں دعائیں کرتے تھے۔آپ کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا، امیر وغریب، شہری اور دیہاتی، بوڑھے اور بچے سبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔جو جس وقت ملاقات کے لیے حاضر ہوتا اسی وقت باریابی کی اجازت دی جاتی تھی۔

صوفیہ کرام نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ جس طرح رواداری کا برتاؤ کیا اور جس انداز میں وسیع پیمانے پر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دیا اس سے واضح ہے کہ ان کی دعوت وتبلیغ کا یہ طریقہ بے حد موثر اور کار گر تھا۔ ہمیں آج کے نفرت بھرے ماحول میں ان کے داعیانہ حکمت وتدبیر کے اصولوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے، رواداری کا ماحول بنا کر غیر اقوام کو پہلے خود سے قریب کرنا چاہیے۔ پھر

انہیں اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کر کے دامن اسلام سے وابستہ ہونے کی دعوت دینی چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ غیروں میں تبلیغ دین کے لیے ان کی فطرت کی شناخت اور ان کے طبیعت کے تقاضوں کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ اسی وقت ہوگا جب ان کے ساتھ معاشرے میں رہ کر ان کی صبح و شام کا جائزہ لیا جائے، ان کے خیالات کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور اپنے اسلامی عقائد و نظریات کو ملحوظ رکھ کر ان سے میل جول رکھا جائے۔ خلیق نظامی کے بقول:

مشائخ چشت ہدایت فرماتے تھے کہ اگر کوئی ہندو تمہاری صحبت سے گرویدگی یا عقیدت کی بنا پر تمہارے پاس آنے جانے لگے اور تم سے ذکر وغیرہ کے متعلق پوچھے تو فورا بتادو، اس فکر میں نہ رہو کہ وہ باقاعدہ مسلمان ہو جائے تو اسے روحانی تعلیم دی جائے۔[28]

شاہ کلیم اللہ دہلوی نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا: ہندو اور مسلمانوں میں سے جو بھی تم سے عقیدت رکھے اسے ذکر و فکر اور مراقبہ کی تعلیم دو۔ کیوں کہ ذکر اپنی خاصیت کے سبب اسے خود اسلام کے بندھن کی طرف کھینچ لے گا۔[29]

صوفیہ کی ان تعلیمات سے جہاں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے راستے کھل جاتے وہیں رواداری کا ایک خوشگوار ماحول قائم ہوتا، نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہو جاتیں، دوریاں قربت میں بدل جاتیں اور توفیق الٰہی سے کفر و شرک کی ظلمت سے معمور دل ایمان کی روشنی سے منور ہو جاتے۔ صوفیہ کرام نے کبھی نفرت و تشدد کا درس نہیں دیا اور نہ ہی کسی خانقاہ میں مذہب کی بنیاد پر کسی قسم کا بھید بھاؤ روا رکھا۔ اس ضمن میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طور سے ذکر کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی خانقاہ ہندوستان میں رواداری کا مرکز ہے، جہاں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور ہر مذہب کے ماننے والے بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ حاضری دے کر قلبی سکون حاصل کرتے ہیں۔ آپ پوری زندگی رواداری کے اصولوں پر عمل پیرا رہے۔ کسی مذہب کے ماننے والوں کو اپنی بارگاہ سے نامراد نہیں لوٹایا۔ جب آپ اجمیر تشریف لائے تو اس وقت ہندوستان کا یہ خطہ کفر و شرک کا مرکز تھا۔ آپ نے اجمیر میں اپنے محبت آمیز ارشادات اور انسانیت نواز تعلیمات کے ذریعہ خلق خدا کو دینِ اسلام کی طرف راغب کیا۔ آپ نے جب اصلاح کی تحریک چلائی تو بین المذاہب رواداری اور بھائی چارگی کے فروغ کے پیش نظر ان مقامی رسوم و رواج کو بھی باقی رکھا جو اسلامی

شریعت کے مخالف نہیں تھے۔آپ نے انسانیت کے ناطے دوسرے مذہب کے لوگوں میں محبت بانٹی۔آپ کے لنگر خانے سے اپنے اور غیر سبھی شکم سیری کیا کرتے تھے۔آپ کا فرمان مشہور ہے کہ جس شخص کے اندر دریا کی طرح سخاوت، آفتاب کی طرح شفقت اور زمین کی طرح تواضع موجود ہو وہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے۔آپ نے اپنے اس ارشاد کو عملی جامہ بھی پہنایا۔آپ کے بحر سخاوت سے ہر طبقے اور ہر مذہب کے لوگ فیض یاب ہوئے۔آپ کی شفقتوں کے سایے میں غمزدوں کو غموں کا مداوا ملا۔

صوفیہ کرام خلق خدا سے محبت فرمایا کرتے تھے اور مخلوق کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر اس کے ازالہ کی کوشش کرتے۔خلق خدا کو خوش کرنا ان کے نزدیک ایک نیک اور محبوب عمل تھا۔اس سلسلے میں وہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔وہ پریشان حال انسانوں کی پریشانیوں کو دیکھ کر تڑپ اٹھتے اور بھوکوں کی بھوک کا خیال ان کے لقمہ کو حلق سے نیچے اترنے نہیں دیتا تھا۔صوفیہ کرام ہر مذہب اور ہر طبقے کے لوگوں پر شفقتیں بانٹتے تھے۔ہر اس عمل سے باز رہنے کا حکم دیتے جو کسی انسان کی دل شکنی کا باعث ہو۔جو انسان کسی کی بھوک کا خیال کرتے ہوئے خود شکم سیر ہو کر نہ کھائے وہ کسی کو تکلیف کیسے پہنچا سکتا ہے، وہ بے گناہ انسانوں کی ہلاکت کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے؟۔خواجہ غریب نواز کے اجل خلفا میں قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہوتا ہے۔آپ زبردست عالم و فاضل تھے اور روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔آپ کی خدمت میں مسلمانوں کے ساتھ جین دھرم کے ماننے والے عقیدت مند بھی بڑی تعداد میں آیا کرتے تھے۔جین دھرم کے لوگ گوشت سے حد درجہ پرہیز کیا کرتے ہیں۔قاضی صاحب نے اپنے ان غیر مسلم عقیدت مندوں کی دل بستگی کا خیال رکھتے ہوئے اپنی خانقاہ میں گوشت پکانے پر پابندی لگادی تھی۔آج بھی آپ کی خانقاہ کے لنگر میں گوشت نہیں پکتا۔رواداری کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ کرام نے اللہ کی زمین کو علم و آگہی، معرفت و طریقت، زہد و تقویٰ، مذہبی رواداری اور انسان دوستی کی ایسی لازوال خوشبو سے مہکا دیا کہ آج تک یہ دھرتی ان خوشبوؤں سے معطر ہے اور مسلسل مہک رہی ہے۔جب تک صوفیانہ تعلیمات ہماری رہبری کرتی رہیں گی ہماری قومی یک جہتی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔دنیا کے گوشے گوشے میں موجود صوفیہ کرام امن و سلامتی کے ضامن ہیں۔اس بات کی صداقت میں کوئی شک نہیں کہ صوفیانہ تعلیمات کے فروغ سے ہی دنیا میں امن و سلامتی اور بھائی چارگی کا

ماحول قائم ہو سکتا ہے۔اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانیت کے تحفظ اور فروغِ امن کا واحد راستہ تصوف کا راستہ ہے۔

نتائج وسفارشات

1) صوفیہ کرام نے ہمیشہ امن و آشتی، بین المذاہب رواداری، سماجی و ثقافتی ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کی تعلیم دی ہے۔

2) صوفیہ کا مقصدِ حیات مخلوق کا رشتہ خالق سے مستحکم کرنا ہے۔

3) صوفیہ کرام نے مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی اسلام سے قریب کرنے کے لیے محبت اور رواداری کے اصولوں پر کام کیا۔

4) سختی اور تشدد کو صوفیہ نے کبھی پسند نہیں کیا اور یہی دعوتِ دین کا زرین اصول بھی ہے۔

5) صوفیہ نے محبت آمیز ارشادات اور انسانیت نواز تعلیمات کے ذریعہ خلق خدا کو دینِ اسلام کی طرف راغب کیا۔

6) صوفیہ نے جب اور جس مقام پر اصلاح کی تحریک چلائی تو بین المذاہب رواداری اور بھائی چارگی کے فروغ کے پیش نظر ان مقامی رسوم ورواج کو بھی باقی رکھا جو اسلامی شریعت کے مخالف نہیں تھے۔

7) صوفیہ کرام خلق خدا سے محبت فرمایا کرتے تھے اور مخلوق کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر اس کے ازالہ کی کوشش کرتے۔

8) خلق خدا کو خوش کرنا ان کے نزدیک ایک نیک اور محبوب عمل تھا۔اس سلسلے میں وہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے تھے۔

9) صوفیہ پریشان حال انسانوں کی پریشانیوں کو دیکھ کر تڑپ اٹھتے اور بھوکوں کی بھوک کا خیال ان کے لقمہ کو حلق سے نیچے اترنے نہیں دیتا تھا۔

10) صوفیہ کرام ہر اس عمل سے باز رہنے کا حکم دیتے جو کسی انسان کی دل شکنی کا باعث ہو۔

11) صوفیہ کرام نے اللہ کی زمین کو علم و آگہی، معرفت و طریقت، زہد و تقویٰ، مذہبی رواداری اور انسان دوستی کی لازوال خوشبو سے مہکادیا۔

12) جب تک صوفیانہ تعلیمات ہماری رہبری کرتی رہیں گی ہماری قومی یک جہتی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

13) دنیا کے گوشے گوشے میں موجود صوفیہ کرام امن وسلامتی کے ضامن ہیں۔

14) صوفیانہ تعلیمات کے فروغ سے ہی دنیا میں امن وسلامتی اور بھائی چارگی کا ماحول قائم ہو سکتا ہے۔

15) انسانیت کے تحفظ اور فروغِ امن کا واحد راستہ تصوف کا راستہ ہے۔

16) موجودہ دور میں تصوف اور صوفیہ کی تعلیمات کی اشاعت کی اشد ضرورت ہے۔

17) عالمی سطح پر اسلام کا صحیح تشخص صوفیانہ خدمات کے ذریعے پیش کیا جا سکتا ہے۔

18) قومی جامعات میں صوفیہ کرام کی خدمات پر تحقیق کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

1۔ داتا گنج بخش علی ہجویری، **کشف المحجوب** (مترجم)، مدینہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، 1988، ص63

2۔ امام عبدالوہاب شعرانی، **طبقات الشافعیہ**، مطبعہ عثمانیہ، ترکی، 2010، ص4

3۔ ایضاً، ص 18

4۔ ابوالحسن شطنوفی، **بہجۃ الاسرار**، پروگریسو بکس، لاہور، 1990، ص50

5۔ **بہجۃ الاسرار**، ص39

6۔ **کشف المحجوب**، ص33

7۔ البقرہ: 2 : 256

8۔ الممتحنۃ: 60 : 8

9۔ امام أبوداود، **السنن**، کتاب الخراج، باب فی تشعیر أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، المکتبہ الشاملہ، رقم: 3052

10۔ ابن أبی شیبۃ، **المصنف**، المکتبہ الشاملہ، رقم: 2745

11۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب المرض، باب عیادۃ المشرک، المکتبہ الشاملہ

12۔ **سنن ابی داؤد**، کتاب البیوع، باب فی المساقاۃ ،المکتبہ الشاملہ
13۔امام بیہقی، **شعب الایمان**، المکتبہ الشاملہ، رقم: 9125
14۔امام ترمذی، **السنن**، کتاب الاطعمہ، باب ما جاء ان المؤمن یاکل فی معی واحد، المکتبہ الشاملہ
15۔ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک، **السیرۃ النبویہ**، دارالفکر، بیروت، 2006، ص733
16۔ایضاً، ص396
17۔ایضاً، ص424
18۔امام ابن ماجہ، **السنن**، کتاب الجہاد، باب وصیۃ الامام، المکتبہ الشاملہ
19۔امام مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی ہریرۃؓ، المکتبہ الشاملہ
20۔امام بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازۃ یہودی، المکتبہ الشاملہ
21۔امیر حسن علاء سنجری، **فوائد الفواد**، منظور بک ڈپو، دہلی، 1998، ص155
22۔ **کشف المحجوب**، ص248
23۔سید اخلاق احمد رضوی، **نافع السالکین**، مطبع مرتضوی، دہلی، 1977، ص46
24۔نجم الدین سلیمانی، **مناقب المحبوبین**، مطبع محمدی، لاہور، 1992، ص33
25۔ **فوائد الفواد**، ص188
26۔ **فوائد الفواد**، ص167
27۔خواجہ امیر خورد کرمانی، **سیر الاولیاء**، مرکز تحقیقات فارسی، پاکستان، 1988ص175
28۔پروفیسر خلیق نظامی، **تاریخ مشائخ چشت**، مکتبہ عارفین، کراچی، 2002ص116
29۔شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، **مرقع کلیمی**، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1996 ، ص32